کورٹ میرج کی شرعی حیثیت

(ایک تحقیقی مطالعہ)

ڈاکٹر شہزادہ عمران ایوب*

ABSTRACT

Court Marriage means a marriage that a wise and mature boy & girl performs only by mutual consent to court and performs some legal requirements without permission of their parents. Due to distance from religion, misuse of media, co-education, vulgarity and male female freely intimacy, in our Islamic society the trend of this marriage is increasing every day. The process of giving more proof of this marriage by judicial decisions and some religious circles has also played an important role in promoting it. Mostly, the result of this is girls run from their homes, parental insult, and destruction of their own lives, public disturbance and social disorder. Today's need was that in a neutral way this important social issue should be discussed and by giving independent research, the issue of parents' permission for marriage, particularly for the girl, should be presented in the light of Islamic teachings and in this regard different opinions of the scholars should also be analyzed. So on one side, where the importance of parent's role in marriage will be highlighted, on the other hand, we can be protected from social destruction, ruination of the family system and public disturbance. The following article is presented in detail on this subject.

Kyewords: نکاح، عدالت، رجسٹریشن، پاکستان، قانون، پرسنل لاء، ولی، قرآن، حدیث، سیرت، فقہ فقہا

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

کورٹ میرج (Court Marriage) سے مراد ایسا نکاح ہے جو ایک عاقل اور بالغ لڑکا لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر محض باہمی رضامندی سے عدالت میں جا کر کچھ قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے انجام دیتے ہیں۔ ہمارے اسلامی معاشرے میں بھی دین سے دوری، میڈیا کے غلط استعمال، مخلوط نظامِ تعلیم، فحاشی و عریانی کے پھیلاؤ اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کے باعث اس نکاح کا رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ مزید کچھ عدالتی فیصلوں اور بعض دینی حلقوں کی طرف سے اس نکاح کی سندِ جواز مہیا کرنے کے عمل نے بھی اس کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر و بیشتر لڑکی کے گھر سے بھاگنے، والدین کی عزت رسوا کرنے، اپنی زندگی برباد کرنے، لڑائی جھگڑے، قتل و غارت، فتنہ و فساد اور معاشرتی بگاڑ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ غیر جانبدارانہ طور پر اس اہم سماجی مسئلے کو زیر بحث لایا جائے اور آزادانہ تحقیق کرتے ہوئے نکاح کے لیے والدین کی اجازت، بطورِ خاص لڑکی کے لیے ولی و سرپرست کی اجازت کے مسئلہ پر اسلامی تعلیمات اور اس حوالے سے اہل علم کی آراء اور اختلافات کا تقابل و تجزیہ پیش کیا جائے۔ تاکہ ایک طرف جہاں نکاح میں والدین کے کردار کی اہمیت اُجاگر ہو وہاں دوسری طرف ہم معاشرتی تباہی، سماجی بربادی، خاندانی نظام کی خرابی اور بدامنی سے محفوظ رہ سکیں۔ زیر نظر مضمون میں اسی حوالے سے کچھ معروضات پیش کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔

کورٹ میرج کا طریقہ

کورٹ میرج (Court Marriage) یعنی "عدالتی نکاح"۔ اس نکاح کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی باہمی رضامندی سے عدالت میں جا کر بذریعہ وکیل ملکی قانون کے مطابق نکاح کی کاروائی مکمل کرتے ہیں۔ وکیل اپنی فیس لیتا ہے اور نکاح کے تمام تر کاغذات مکمل کرواتا ہے۔ ایجاب و قبول بعض اوقات وکیل کے دفتر میں اور بعض اوقات کسی بھی مولوی کے سامنے دو گواہوں کی موجودگی میں کر لیا جاتا ہے۔ خطبہ نکاح کے لیے کبھی کسی مولوی کو فیس دے کر بلا لیا جاتا ہے اور کبھی اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ نکاح فارم پُر کرتے وقت باہمی رضامندی سے حق مہر کا بھی تعین کر لیا جاتا ہے۔ نکاح کے وقت لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے کفو (ہم پلہ) ہیں یا نہیں اس کا بالعموم کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس نکاح کے لیے اگر کوئی چیز ضروری تصور کی جاتی ہے تو وہ صرف لڑکے اور لڑکی کی باہمی رضامندی ہے۔ علاوہ ازیں دونوں کے والدین، رشتہ دار یا کوئی بڑا، موجود ہے یا نہیں، اس کی یکسر ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اور بلاشبہ "کورٹ میرج" کی ضرورت بھی اسی وقت پڑتی ہے جب والدین کی رضامندی نہیں ہوتی، ورنہ اس کی کبھی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بالاختصار یہ کہ اس نکاح میں قانونی رجسٹریشن، حق

مہر کا تعین، خطبہ نکاح، ایجاب وقبول، دو گواہ (خواہ کرائے کے ہوں)، لڑکے لڑکی کا عاقل وبالغ ہونا اور ان کی باہمی رضامندی سب کچھ شامل ہوتا ہے سوائے والدین کی اجازت کے۔

- پاکستان میں رائج پرسنل لاء کے مطابق ایسا نکاح بالکل درست ہے، ولی وسرپرست کی مرضی بالغ لڑکی کی شادی کے لیے بالکل ضروری نہیں، کوئی بھی بالغ لڑکی اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے۔ (محمڈن لاء) پاکستان میں ہائی کورٹس، فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلوں میں والدین کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح بالکل درست قرار دیا گیا ہے۔

کورٹ میرج میں موضوعِ بحث بنیادی مسئلہ

لڑکا ہو یا لڑکی ان کی زندگی میں والدین کا کردار نہایت ہی اہم ہوتا ہے۔ بچوں کی پیدائش سے لے کر جوانی تک والدین ان کے لیے بے شمار صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، ان کی ہر خوشی پر اپنی خوشی قربان کر دیتے ہیں، ان کی ہر خواہش کی تکمیل کے لیے شب وروز کی انتھک محنت پیش کر دیتے ہیں، غرض بے لوث ہو کر ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں شادی جیسے اہم موقع اور زندگی کے اہم فیصلے میں بھی ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مزید اس لیے بھی کہ کتاب وسنت میں والدین سے حسن سلوک اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی بڑی تاکید کی گئی ہے[1]، اس عمل کو اللہ کی اطاعت کے بعد دوسرا اہم ترین دینی تقاضا قرار دیا گیا ہے[2] اور والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے۔[3] اس لیے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کو زندگی کے ہر اہم فیصلے کی طرح نکاح میں بھی والدین کی رضامندی کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔

البتہ یہاں یہ فرق بہر حال ضرور ہے کہ جس طرح بوجوہ اسلام نے لڑکی کے نکاح کے لیے ولی وسرپرست کو ضروری قرار دیا ہے ویسے لڑکے کے لیے ضروری قرار نہیں دیا۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مرد حاکم اور خود مختار ہوتا ہے جبکہ عورت ہمیشہ کسی مرد کے زیر کفالت ہی رہتی ہے، شادی سے پہلے اس کے نان نفقہ وغیرہ کی تمام تر ذمہ داری اس کے والد پر ہوتی ہے جبکہ شادی کے بعد یہ ذمہ داری اس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتی

---

[1] ۔ العنکبوت : ۸ ، لقمان : ۱۴ ، الاحقاف : ۱۵

[2] ۔ الاسراء: ۲۳

[3] ۔ البخاری ، محمد بن اسماعیل ، الجامع الصحیح ، دارالسلام ، ریاض ، ۲۰۰۲ء ، کتاب الأیمان والنذور ، باب الیمین الغموس (٦٦٧٥)

ہے۔ بہرحال کورٹ میرج میں یہی اہم ترین چیز (والدین کی رضامندی) مفقود ہوتی ہے جسے والدین کے عظیم حق کے پیش نظر لڑکے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے (اگرچہ بالا تفاق اس کا نکاح ولی و سرپرست کے بغیر بھی درست ہے) جبکہ لڑکی کے لیے تو ولی و سرپرست کی اجازت نہایت ہی ضروری ہے۔ تو کورٹ میرج کے حوالے سے موضوعِ بحث بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی بالغ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ولی کا مفہوم

"ولی" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لیے انگلش میں Guardian اور Warden وغیرہ بولا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا معنی دوست، مددگار، نگران اور سرپرست وغیرہ کیا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ولی سے مراد کسی بھی گھر اور خاندان کا وہ نگران و سربراہ ہے جو اپنے اہل خانہ کی تعلیم و تربیت، علاج معالجہ، کفالت و پرورش اور دیگر اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ان اُمور کی انجام دہی کے عوض اہل خانہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سربراہ خانہ کا احترام بجالائیں، معروف میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور ہر ایسے کام سے بچیں جس سے گھر کے سربراہ کی عزت پر کوئی حرف آئے یا خاندان کی عزت مجروح ہو۔ زندگی کے ان متفرق معاملات کی طرح نکاح کے معاملے میں بھی گھر کے سربراہ کی عزت و ناموس کا لحاظ رکھنا اور اس کی رضامندی کا احترام کرنا اہل خانہ پر لازم ہے۔ جس کا ثبوت نہ صرف شرع میں موجود ہے بلکہ عقل بھی اسی کی مؤید ہے۔ بطورِ خاص لڑکی کے لیے ولی کی اجازت نہایت ضروری ہے۔

کورٹ میرج اور ولی کا تصور، اسلامی شریعت کے تناظر میں

لڑکی کو ولی و سرپرست کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح نہیں کرنا چاہیئے، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر کوئی بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کرلے تو کیا اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اکثر علما کی رائے یہی ہے کہ ایسا نکاح درست نہیں اور نہ ہی اس کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ لڑکی کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے اور یہ اصول ہے کہ شرط کے بغیر مشروط نہیں ہوتا جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے تو اگر وضو نہ ہو تو نماز بھی نہیں ہوتی۔ مزید اس موقف کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

آیات قرآنیہ:

﴿وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ . . . وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ

یُؤۡمِنُواْۚ﴾[1]

"تم مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔"

مذکورہ آیت میں مردوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے براہِ راست انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح نہ کرو۔ لیکن جب مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں سے نکاح کرنے سے منع کیا تو ان کے اولیاء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو۔ اس اندازِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ لڑکا نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے جبکہ لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی بلکہ اس کا نکاح صرف اس کے سرپرست ہی کریں گے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ "یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"[2] امام طبریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ "اللہ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ ہی ہے" اس کے بعد بطورِ استدلال یہی آیت ذکر فرمائی ہے۔[3] امام شوکانیؒ نے بھی موصوف کی یہی عبارت نقل فرما کر ان کی تائید کی ہے۔[4] قاضی ابن العربیؒ نے مذکورہ امام طبریؒ کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ "یہ دلالت صحیح ہے" یعنی پیش نظر آیت سے ولی کے لازم ہونے کا اثبات درست ہے۔[5] امام ابن حزمؒ نے بھی اس آیت کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ اس میں خطاب عورتوں کو نہیں بلکہ ان کے اولیاء کو ہے۔[6] علاوہ ازیں دیگر متعدد مفسرین نے بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لڑکی کے نکاح کے معاملے میں اس کے اولیاء کو زیادہ حق دار اور ان کی اجازت کو ضروری ہی قرار دیا ہے۔[7]

﴿وَأَنكِحُواْ ٱلۡأَيَـٰمَىٰ مِنكُمۡ﴾[8]

"تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں، ان کے نکاح کر دو۔"

---

[1] ۔ البقرہ: ۲۲۱

[2] ۔ القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، مصر، ۱۹۶۴ء (۳/۷۲)

[3] ۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ (۴/۳۷۰)

[4] ۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، تفسیر فتح القدیر، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۱۴ھ (۱/۲۵۸)

[5] ۔ ابن العربی، قاضی محمد بن عبد اللہ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۳ء (۱/۲۱۹)

[6] ۔ ابن حزم الاندلسی، ابو محمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، دار الفکر بیروت، بدون التاریخ (۹/۲۶)

[7] ۔ دیکھئے: محمد رشید رضا، تفسیر المنار، الھیئۃ المصریہ العامۃ للکتاب، مصر، ۱۹۹۰ء (۲/۲۷۹)۔

[8] ۔ النور: ۳۲

اس آیت میں بے شوہر کنواری یا بیوہ عورتوں کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے نکاح کا بندوبست کریں۔ اہل علم نے مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے بے شوہر عورتوں کے نکاح کی ذمہ داری کو ان کے اولیاء پر لازم قرار دیا ہے بعینہ جیسے غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کا بندوبست کرنا ان کے آقاؤں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ قاضی ابن العربی ؒ[1] اور امام بغوی ؒ[2] نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ﴾[3]

"جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں اپنے (سابقہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔"

یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب حضرت معقلؓ کی بہن کو ان کے شوہر نے (رجعی) طلاق دی اور پھر عدت پوری ہونے پر دوبارہ ان سے نکاح کرنا چاہا تو حضرت معقلؓ نے انکار کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت معقلؓ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا تو فوراً اپنی بات سے رجوع کر لیا اور اپنی بہن کا نکاح ان کے سابقہ شوہر سے کرا دیا۔[4] معلوم ہوا کہ اس آیت میں خطاب ایسی مطلقہ عورت کے اولیاء کو ہے جسے پہلی یا دوسری طلاق دی گئی ہو، عدت پوری ہونے پر اگر اس کا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے اور وہ عورت بھی اس پر راضی ہو تو اس عورت کے ولی کو (خواہ باپ ہو یا بھائی) اس سے نکاح کرا دینا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔[5]

احادیث نبویہ:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔"[6]

---

[1] ۔ احکام القرآن 3/391

[2] ۔ البغوی، محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ 6/39

[3] ۔ البقرہ2: 232

[4] ۔ بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی (۵۱۳۰)

[5] ۔ تفسیر طبری (۲/۶۵۹)

[6] ۔ ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داود، دار السلام، ریاض، ۲۰۰۶ء، کتاب النکاح، باب فی الولی، رقم الحدیث: ۲۰۸۵

یہ روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ[1]، حضرت ابن عباسؓ[2] اور چند دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ استنادی اعتبار سے بھی بالکل صحیح ہے[3] حتیٰ کہ اسے متواتر تک کہا گیا ہے[4] کہ جس کے مستند ہونے میں شک کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔[5] یہ حدیث عورت کے نکاح میں ولایت کے شرط ہونے کی بالکل واضح دلیل ہے اور ہر ایسا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل (کالعدم) ہو گا۔ امام خطابیؒ[6] اور امام شوکانیؒ[7] نے بھی اس کی شرح میں یہی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں نکاح کی نفی سے مراد نفیِ کمال نہیں (کہ نکاح مکمل نہیں ہوتا) بلکہ نفیِ ثبوت ہے (یعنی نکاح ہوتا ہی نہیں)۔ اور جن حضرات کا کہنا ہے کہ "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو ایسا کرنا نہیں چاہئے، البتہ اگر وہ کرلے تو اس کا نکاح ہو جاتا ہے۔ تو انہیں آئندہ حدیث کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ جس میں نبی ﷺ نے واضح لفظوں میں ایسے نکاح کو باطل وکالعدم قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ..."

"جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔"[8]

اس حدیث سے جہاں ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے نکاح کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کے عموم (جس عورت نے بھی...) سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس حکم میں ہر عورت شامل ہے خواہ کم سن ہو یا بڑی، خواہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔

---

1 - ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ (۳/۴۵۵) احمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ، (الموسوعۃ الحدیثیۃ: ۲۶۲۳۵)

2 - ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، دار السلام، ریاض، ۲۰۰۹ء، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، رقم الحدیث: ۱۸۸۰

3 - البانی، محمد ناصر الدین، ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، رقم الحدیث: ۱۸۳۹

4 - الکتانی، ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفیض، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر، دار الکتب السلفیہ، مصر، بدون التاریخ، رقم الحدیث: ۱۵۷

5 - ابن حجر العسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مطبعۃ الصباح، دمشق، ۱۴۲۱ھ (ص: ۴۳) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، دار طیبہ، بدون التاریخ (۱/۶۷)

6 - الخطابی، ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم، معالم السنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۳۵۱ھ (۳/۱۹۸)

7 - الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، دار الحدیث، مصر، ۱۴۱۳ھ (۶/۱۴۳)

8 - ترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء لا نکاح الا بولی، (۱۱۰۲) ابو داود (۲۰۸۳) شیخ شعیب ارناؤوط اور شیخ البانیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ مسند احمد (الموسوعۃ الحدیثیۃ: ۲۴۳۷۲) ارواء الغلیل (۱۸۴۰)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا"

"کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔"[1]

معلوم ہوا کہ نہ تو کوئی عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی دوسری عورت کا کرا سکتی ہے بلکہ بہر صورت ولی مرد ہی ہو گا۔

آثار صحابہ و تابعین

امام ترمذیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں صحابہ میں سے اہل علم کا عمل نبی ﷺ کی حدیث "ولی کے بغیر نکاح نہیں" پر ہے۔ جن میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح بعض فقہائے تابعین سے بھی مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں۔ ان میں سعید بن مسیبؒ، حسن بصریؒ، شریحؒ، ابراہیم نخعیؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ شامل ہیں۔ یہی سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابن مبارکؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی قول ہے۔[2] امام ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی سے بھی اس مسئلے کی مخالفت مروی نہیں۔[3]

آراء ائمہ اربعہ:

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایک عاقل اور بالغ لڑکی کو اپنے ولی کی اجازت سے ہی نکاح کرنا چاہئے (یعنی ولایت مستحب ہے)۔ البتہ ان کا اختلاف اس بات میں ہے کہ ایک عاقل و بالغ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں۔ تو امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے وہی رائے اختیار کی ہے جو جمہور اہل علم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت کا نکاح صرف اس کا ولی ہی کرا سکتا ہے، وہ خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور اگر وہ ایسا کرتی ہے تو اس کا نکاح باطل (کالعدم) ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ایک عاقل اور بالغ لڑکی اگر ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کر لے تو اس کا نکاح صحیح ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ اور خواہ شوہر اس کا کفو ہو یا غیر کفو، ہاں مہر مثل کی عدم موجودگی یا شوہر کے غیر کفو ہونے کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے،

---

[1] ۔ ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب لا نکاح الا بولی (۱۸۸۲) سنن دار قطنی (۳۵۳۵) شیخ البانیؒ نے حدیث کے ان الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے۔ ارواء الغلیل (۱۸۴۱)

[2] ۔ جامع ترمذی (تحت الحدیث: ۱۱۰۲)

[3] ۔ نیل الاوطار (۱۴۳/۶)

لیکن بہر صورت نکاح درست ہے اور منعقد ہو چکا ہے۔[1]

البتہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے ان کے ہاں بھی ولی کا لزوم ہی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ " امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر ولی اور لڑکی کی رائے میں تعارض آجائے تو لڑکی کی رضا کو اہمیت ہو گی، باوجود اس کے کہ لڑکی اپنے ولی کی رضامندی حاصل کرنے کی پابند ہے، اسی طرح ولی بھی لڑکی کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند ہے۔ اس معاملے کی نزاکت کے پیش نظر دونوں کی رضامندی کا حصول ضروری ہے... ولی کی اجازت کو عورت کی ہی مصلحت کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ عورت کی معلومات ناقص اور فکر کمزور ہے، وہ نہ تو اکثر اپنی مصلحت سمجھ پاتی ہے اور نہ ہی اس سے حسب نسب کی حفاظت ہوتی ہے، چنانچہ غیر کفو کی طرف مائل ہو کر اپنے ولی کے لیے باعث عار ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ولی کی اجازت کو شرط قرار دے دیا گیا ہے تا کہ اس کا سدِّباب ہو سکے۔"[2]

اقوال علما و مفتیان:

امام ابن جریر طبریؒ، امام بغویؒ، قاضی ابن العربیؒ، امام قرطبیؒ، امام ابن کثیرؒ، امام خطابیؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ اہل علم کی آراء پیچھے ذکر کردہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکی ہیں اور ان سب کا موقف یہی ہے کہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے، اس کے بغیر عورت از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں دیگر متعدد علماء نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اختصار کے پیش نظر یہاں صرف چند ایک کی آراء ہی ذکر کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

- امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے اپنی "الجامع الصحیح" میں یہ عنوان قائم کیا ہے ((باب من قال لا نکاح الا بولی)) اور پھر اس کے تحت متعدد دلائل نقل کئے ہیں جن سے لڑکی کے نکاح کیلئے ولی کا لزوم ثابت ہوتا ہے۔[3]
- امام ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری اس کے لیے اپنے ولی کی اجازت

---

1 ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، دار الحدیث القاہرہ، ۱۴۲۵ھ (۳/ ۳۶۔۳۸) الشافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۰ھ (۵/ ۱۳) المغنی لابن قدامہ (۷/ ۷) السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۱۴ھ (۵/ ۱۰)

2 ۔ ماخوذ از: انور شاہ کاشمیری، فیض الباری شرح صحیح بخاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ (۵/ ۵۲۲۔۵۲۴)

3 ۔ بخاری، کتاب النکاح (قبل الحدیث: ۵۱۲۷)

کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں۔[1]

- امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے مطابق ایسا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو باطل ہے اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔[2] مزید فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کے متعدد مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے اور صحابہ کی بھی یہی عادت تھی کہ مرد ہی عورتوں کا نکاح کراتے تھے۔[3]
- حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) اس آیت ((فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ)) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اس بارے میں واضح دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ کہنے کا " انہیں نہ روکو" کوئی مطلب نہیں اور اگر وہ عورت خود نکاح کرنے کا اختیار رکھتی تو اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی۔[4]
- شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے عورتوں کے نکاح میں ولی وسرپرست کی موجودگی کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کی متعدد حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔[5]
- علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے حدیث " ولی کے بغیر نکاح نہیں" کو معتبر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ دراصل اس مسئلے کا تعلق طرفین (لڑکی اور ولی) سے ہے اور دونوں سے متعلقہ احادیث موجود ہیں جن میں دراصل کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں پر یوں عمل کیا جائے گا کہ ولی عورت کی رضامندی کو پیش نظر رکھے اور عورت ولی کی اجازت کو، نہ عورتیں مردوں کی حدود سے تجاوز کریں اور نہ مرد عورتوں پر زیادتی کریں۔[6]
- علامہ رشید رضا مصریؒ (م ۱۳۵۴ھ) تفسیر المنار میں آیت ((وَلَا تُنكِحُواْ)) کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ مرد ہی اپنا اور اپنے زیر نگرانی خواتین کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور

---

1 ۔ المحلی بالآثار (۹،۲۵)۔
2 ۔ ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس، مجموع الفتاوی، مجمع الملک فہد للطباعہ، ۱۴۱۶ھ (۳۲،۱۰۲)
3 ۔ ایضا (۳۲،۱۳۱)
4 ۔ فتح الباری (۹،۱۸۷)۔
5 ۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، دار الجیل، بیروت، ۱۴۲۶ھ (ص: ۴۹۳۔۴۹۴)۔
6 ۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری (۵،۵۲۲)

عورت از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اس کے لیے ولی ضروری ہے۔[1]

- مولانا مودودیؒ(م۱۹۷۹ء) نے آیت ((وَلَا تُنكِحُواْ)) کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے یہ قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ مرد تو اپنا نکاح خود کر لینے کا مختار ہے۔ لیکن عورت اس معاملہ میں بالکل آزاد نہیں، اسے کسی کے نکاح میں دینا اس کے اولیاء کا کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث "الایم احق بنفسها من وليها" اور " لا تنكح البكر حتى تستاذن" کی رو سے نکاح کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دینے کا حق حاصل نہیں مگر چونکہ عورت کے نکاح کا مسئلہ خاندان کے مفاد سے ایک گہرا تعلق رکھتا ہے، اس لیے قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ شادی کے معاملہ میں تنہا عورت کی پسند اور خواہش کافی نہ ہو بلکہ ساتھ ساتھ اس کے رشتہ دار مردوں کی رائے کو بھی اس میں دخل ہے۔[2]

کورٹ میرج کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل اور ان کا جائزہ

جن اہل علم کے نزدیک عاقل وبالغ لڑکی کے نکاح کے لیے ولایت شرط نہیں ان کے نزدیک کورٹ میرج درست ہے۔ ان کے چند دلائل اور بالاختصار ان کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

1. جن آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے مثلاً ((فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ)) "انہیں اپنے (سابقہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔"[3] اور ((حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ)) " حتی کہ عورت اس کے علاوہ کسی اور سے شادی کرلے۔"[4] ان سے استدلال کیا گیا ہے کہ عورت خود نکاح کر سکتی ہے۔
2. اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بعض مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولایت نکاح ختم ہو گئی بلکہ فیصلہ کرنے کے لیے دیگر آیات واحادیث کو بھی ساتھ ملایا جائے گا، جن میں ولی کو لازم قرار دیا گیا ہے، تب ان آیات کا مفہوم واضح ہو گا کہ عورت نکاح کرے لیکن ولی کی اجازت کے

---

[1] ۔ تفسیر المنار (۲،۲۷۹)
[2] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء (ص:۹۸)
[3] ۔ البقرہ:۲۳۲
[4] ۔ البقرہ:۲۳۰۔

ساتھ۔ اور اگر ان آیات کے بعد ولی کی اجازت کا حکم منسوخ ہو گیا تھا تو نبی ﷺ بتا دیتے جبکہ ایسی کوئی صراحت منقول نہیں۔

3. حدیث((الثيب احق بنفسها من وليها))"شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔"[1]

4. یہ اور اس معنی کی دیگر احادیث کے متعلق جواباً یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ نکاح میں ولی کے لزوم کے خلاف نہیں، ان میں تو محض شوہر دیدہ خواتین کو زیادہ حق دار قرار دیا گیا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کم اختیار والا بھی کوئی ہے اور وہ ولی ہے، یعنی شوہر دیدہ عورت کا اختیار اس کے ولی سے زیادہ ہے اس لیے وہ جہاں چاہے اس کے ولی کو وہیں اس کا نکاح کر دینا چاہئے۔ اس قسم کی احادیث میں یہ کہیں بھی موجود نہیں کہ عورت ولی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔

5. جس حدیث میں ولی کے بغیر نکاح کو تین مرتبہ باطل کہا گیا ہے اسی میں مذکور ہے کہ اگر لڑکا ہم بستری کر چکا ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ لڑکی کو مہر ادا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر کیا گیا نکاح باطل نہیں فاسد ہے یعنی اگرچہ طریقہ غلط تھا لیکن منعقد ہو چکا ہے اسی لیے اس سے حق مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

6. اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فاسد کی اصطلاح بعد کی ایجاد ہے، شریعت میں دو ہی باتیں ہیں؛ یا صحیح یا باطل۔ اور جس کام کو نبی ﷺ نے تین مرتبہ باطل کہا ہو وہ باطل ہی ہے صحیح ہرگز نہیں۔ البتہ بطلان کے باوجود ادائیگی مہر لازم ہے، اس لیے نہیں کہ نکاح صحیح اور منعقد ہو چکا ہے بلکہ اس لیے کہ نبی ﷺ کا حکم ہے، جو اس مسئلے میں صریح نص ہے۔ لہٰذا نص کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دینا بالکل درست نہیں۔ اور دوسرے اس لیے کہ ہم بستری کی صورت میں لڑکا جو فائدہ اٹھا چکا ہے، اس فائدے کے عوض بطلانِ نکاح کے باوجود اس پر ادائیگی مہر لازم ہے۔

---

[1] ۔ مسلم بن حجاج القشيری ، صحیح مسلم ، دار السلام ، رياض ، ١٩٩٩ء، كتاب النكاح ، باب استئذان الثيب في النكاح (١٤٢١) ۔

7. ولایت نکاح کے اثبات والی احادیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ کمزور ہیں۔ حالانکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ صحیح ہیں جیسا کہ شیخ البانیؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے جس کے حوالہ جات پیچھے گزر چکے ہیں۔ نیز علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بھی ان روایات کے حسن یا صحیح ہونے کو تسلیم کیا ہے۔[1]

8. بعض اہل علم ولایت نکاح کے اثبات والی احادیث کو نابالغ اور کم عقل لڑکیوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے درست نہیں۔ احادیث عام ہیں جن میں بالغ ونابالغ اور عاقل و مجنون سب لڑکیاں شامل ہیں۔

9. بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں طرح کے (باہم متعارض) دلائل موجود ہیں اس لیے دونوں مفہوم نکالے جاسکتے ہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ شرعی دلائل میں تعارض ممکن نہیں۔ ہاں بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے لیکن وہ ظاہری تعارض ہوتا ہے حقیقی نہیں۔ ایسی صورت میں دونوں دلائل کو جمع کرکے دونوں پر عمل ممکن بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک حدیث میں ولی کے بغیر کئے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے اور دوسری میں لڑکی کی رضا کے بغیر کئے گئے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار خود لڑکی کو دیا گیا ہے۔ تو درحقیقت ان دونوں احادیث کا آپس میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ ان دونوں پر یوں عمل کیا جائے گا کہ نہ تو ولی نکاح کے معاملے میں لڑکی پر زبردستی کرے اور نہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے۔ یہی بات علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی تفصیل سے بیان فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی بھی یہی تشریح فرمائی ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

10. اسے بیع پر قیاس کیا جاتا ہے یعنی جیسے بیع کے انعقاد میں محض خریدار اور فروخت کنندہ کی رضامندی ہی کافی ہے اسی طرح نکاح میں بھی لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ہی کافی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے یہ باطل ہے۔

[1] ۔ فیض الباری (۵، ۵۲۲)

قابل ترجیح رائے

راقم کے مطابق جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ) کی رائے قابل ترجیح ہے کیونکہ

- مستند اور صریح دلائل اسی موقف کی تائید کرتے ہیں۔
- علما کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔
- اسی میں سماجی و خاندانی تباہی سے بچاؤ کا امکان ہے۔
- علاوہ ازیں ممکن ہے ولی کے بغیر نکاح کو جائز قرار دینے میں کچھ فائدہ بھی ہو لیکن اس کا نقصان بہر حال زیادہ ہی ہے اور جس کام کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو اس سے بچنا ہی بہتر ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ایک مقام پر لوگوں کے شراب اور جوئے سے متعلق استفسار پر انہیں اس سے بچنے کی یوں ہدایت فرمائی کہ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا "ان کا نقصان ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔"[1]
- ایجاب و قبول کے مفہوم سے بھی ولی کا لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایجاب سے مراد ہے ولی کا لڑکی کی ذمہ داری سپرد کرنا اور قبول سے مراد ہے لڑکے کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا۔ تو ایجاب لڑکی خود کر ہی نہیں سکتی کیونکہ قبل از نکاح اس کی ذمہ داری تو اس کے ولی پر ہی ہوتی ہے، نہ کہ خود اس پر۔ تو جب ایجاب و قبول ہی درست نہیں تو پھر نکاح کیسے درست ہوا؟
- شرعی دلائل کے علاوہ اگر اسی بات پر غور کیا جائے کہ والدین جنہوں نے بچپن سے جوانی تک لڑکی کی اچھی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، اس کی بہتر زندگی کے متعلق سوچا، اسے ہمیشہ نقصان سے بچایا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زندگی کے اس اہم ترین موڑ پر اُن کی رضامندی کو غیر ضروری قرار دے دیا جائے، بلاشبہ عقل بھی اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔

خلاصہ بحث

کورٹ میرج سے مراد ایسا نکاح ہے جس کا انعقاد بذریعہ عدالت کرایا جاتا ہے۔ اس نکاح میں حق مہر، خطبہ، دو گواہ اور عاقدین کی باہمی رضامندی وغیرہ سب کچھ موجود ہوتا ہے سوائے "والدین کی اجازت" کے، اسی لیے یہ

---

[1] ۔البقرہ:۲۱۹

نکاح گھر کی بجائے عدالت میں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اولاً یہ وضاحت ضروری ہے کہ والدین کے عظیم حق، ان کے وسیع تجربے اور اولاد سے بے پناہ محبت کے پیش نظر خواہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کو والدین کی اجازت کے بغیر ہرگز نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ جس طرح بوجوہ اسلام نے لڑکی کے نکاح کے لیے ولی و سرپرست (والد) کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے ویسے لڑکے کے لیے ضروری قرار نہیں دیا۔ لہٰذا یہاں ہمارا موضوعِ بحث بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی بالغ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ تو اگرچہ پاکستانی قانون کے مطابق ایسا نکاح درست ہے لیکن شرعی نقطہ نظر سے علما کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ ایسا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ فقہا میں سے ائمہ ثلاثہ کی بھی یہی رائے ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ولی کی موجودگی ضروری تو ہے لیکن اگر ایسا نکاح ہو جائے تو وہ بہر حال منعقد ہو جاتا ہے، بس مہر مثل کی عدم موجودگی یا شوہر کے غیر کفو ہونے کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق پہلی رائے ہی قابل ترجیح ہے کیونکہ مستند اور صریح دلائل اسی کی تائید کرتے ہیں، اہل علم کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے اور اسی ذریعے سے سماجی و خاندانی تباہی سے بچاؤ ممکن ہے۔ پھر شرعی دلائل سے قطع نظر عقل بھی اسی کی مؤید ہے کہ جن والدین نے بچپن سے جوانی تک اولاد کی ہر ضرورت پوری کی، انہیں زندگی کے اس اہم فیصلے میں ہرگز بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ شریعت میں لڑکی کی رضامندی کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ اس مسئلے میں طرفین کی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی جیسے ولی کی اجازت کے بغیر لڑکی نکاح نہیں کر سکتی ویسے ہی ایک بالغ لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا ولی بھی جبراً اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کورٹ میرج کی صرف ایک ہی صورت جائز ہے اور وہ یہ کہ جب لڑکی کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو وہ بذریعہ عدالت نکاح کر سکتی ہے، لیکن اس صورت میں بھی قاضی یا جج ولی بن کر اس کا نکاح کرائے گا، جو اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ شریعت میں لڑکی کے نکاح کے لیے ولی کی موجودگی بہر صورت ضروری ہے۔